مولانا فراہیؒ کے قرآنی حواشی "تعلیقات فی تفسیر القرآن الکریم" - ایک تعارفی مطالعہ

ابوسعد اعظمی

مولانا حمید الدین فراہیؒ (۱۸۶۳-۱۹۳۰ء) کی شخصیت علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ قرآن کریم میں غور وخوض اور تدبر وتفکر کے لیے آپ نے اپنی پوری زندگی وقف کردی تھی۔ آپ کا یہ مستحکم نظریہ تھا کہ فکر ونظر کا میدان ہو یا نظام تعلیم وتعلم قرآن مجید کو مرکزی حیثیت دی جائے اور تمام علوم وفنون اسی کی روشنی میں پڑھے اور پڑھائے جائیں۔ تصنیف وتالیف کی دنیا میں مولانا فراہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کی پہلی آواز اور آخری آرزو یہ تھی کہ قرآن پاک کو بزم علم کا صدر نشیں بنایا جائے، مسلمانوں میں رائج تمام علوم کا مرکز ومحور کتاب الٰہی کو قرار دیا جائے اور اس کی روشنی میں از سر نو سارے علوم مدون کیے جائیں۔ دراصل مولانا فراہیؒ علوم وفنون کی ایسی دنیا بسانا چاہتے تھے جس کے سارے سیارے آفتابِ قرآن کے گرد گردش کرتے ہوں۔ علامہ فراہی نے قرآن فہمی کی راہ آسان بنانے کے لیے مختلف علوم وفنون کا جو فہم قرآن میں معاون و مددگار ہیں تنقیدی جائزہ لیا اور مختلف قرآنی موضوعات کی طرف توجہ کی اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بھی اپنی وسعت معلومات اور دقت نظر سے بآسانی حل کردیا۔ چنانچہ **دلائل النظام، التکمیل فی اصول التاویل، امعان فی اقسام القرآن، حجج القرآن، حکمة القرآن، جمهرة البلاغه، کتاب المفردات اور اسالیب القرآن** جیسی مستند کتابیں قرآن اور قرآنی علوم سے ان کے گہرے شغف کا نتیجہ ہیں۔

مولانا فراہیؒ نے تاریخ اسلام کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب وعوامل کا بڑی باریک بینی سے تجزیہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ قرآن سے گہرے شغف اور اس پر مسلسل تدبر و تفکر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک خصوصی بصیرت سے نوازا تھا۔ اس مطالعہ وتجزیہ اور قرآنی بصیرت کی روشنی میں وہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ امت مسلمہ کو ذلت ونکبت کے گرداب سے نکالنے کی صرف ایک سبیل ہے۔ اور وہ یہ کہ امت پھر اپنی اصل کی طرف لوٹے اور اپنے تمام معاملات کی تنظیم قرآن وسنت کی بے آمیز تعلیمات کی روشنی میں کرے ا۔ اس سلسلے میں مولانا فراہی کے پیش نظر سب سے اہم کام یہ تھا کہ وہ اپنے مخصوص اصول ومبادی کے مطابق قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی جملہ خرابیوں کی بنیاد قرآن مجید سے دوری اور اس سے تعلق میں کمزوری تھی۔ لیکن عمر رفتہ نے اتنی مہلت نہیں دی کہ وہ اس نہج اور انداز پر قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھ سکتے۔ البتہ کچھ سورتوں کی مکمل تفسیر لکھ کر آپ نے نہایت کامیابی سے اس تفسیری منہج کا عملی نمونہ پیش کردیا۔ اس کے علاوہ مولانا نے پورے قرآن مجید پر یہ حواشی لکھ رکھے تھے جو پورے قرآن کا احاطہ کرتے ہیں۔ اور سورتوں کے نظم، زمانہ نزول، عمود اور آیات کی تشریح سے متعلق اساس فراہم کرتے ہیں، گویا یہ ان کی مجوزہ تفسیر کا خام مواد حواشی ہے عرصہ دراز سے یہ خوشِ مخطوطات کی شکل میں پڑے ہوئے تھے اور متعدد اصحاب کے پاس ان کے نقل شدہ قلمی نسخے موجود تھے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر آج سے ربع صدی قبل مولانا سلطان احمد اصلاحی نے ششماہی علوم القرآن میں یہ آواز اٹھائی تھی کہ ”مولانا فراہی کا عظیم الشان کام جو ہنوز غیر مطبوعہ پڑا ہے اور جس کی اشاعت کی کوئی سن گن اور بھنک اور دور دور تک شاید آثار بھی نہیں ہیں، مولانا کے از اول تا آخر قرآنی حواشی ہیں جو کتاب اللہ پر ان کے چالیس سال سے زائد کے فکری مراقبہ ومجاہدہ اور ریاض کا حاصل ہے۔“ اسے منظر عام پر آنا چاہیے۔

”...... کاش کہ ہندوستان کا کوئی ادارہ کوئی انجمن اس کا بیڑہ اٹھالے تو یہ قرآن حکیم کی خدمت تو ہوگی جس سے بڑی کوئی دوسری

سعادت نہیں ہوسکتی۔ اس سے عالم عرب اور عالم اسلام میں
ہندوستان کا نام بھی روشن ہوگا اور بیرون ہند اس کی عزت ووقار میں
اضافہ ہوگا''۔[۲]

پروفیسر عبیداللہ فراہی (مولانا فراہی کے پوتے اور علمی جانشیں) کی کوششوں سے مولانا کی متعدد غیر مطبوعہ تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ یہ حواشی ان کی ترتیب اور مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کی مراجعت سے (**تعلیقات فی تفسیر القرآن الکریم**) کے نام سے دوضخیم جلدوں میں دائرہ حمیدیہ (مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ) سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئے ہیں۔

مخطوطات کی شکل میں ہونے کی وجہ سے سب کے لیے ان حواشی سے استفادہ ممکن نہیں تھا، لہٰذا ان کی تفسیر ''نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان'' (اردو بعنوان ''تفسیر نظام القرآن'') پڑھنے کے بعد قاری کے اندر تشنگی کا جو احساس پیدا ہوتا تھا اس کے ازالہ کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اگرچہ امام فراہیؒ کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اپنے استاذ ہی کے نہج اور انداز پر اپنی مایہ ناز، معروف اور متداول تفسیر ''تدبر قرآن'' لکھ کر اس تشنگی کے ازالہ کی حتی المقدور کوشش کی اور اس میں جو فکر بھی پیش کیا گیا اسے اپنے استاذ کا فکر قرار دیا[۳]۔ تاہم قارئین کے دلوں میں قرآنی آیات سے متعلق براہ راست مولانا فراہی کی آراء کو جاننے کا اشتیاق باقی رہا۔ اس کا سب سے معتبر ذریعہ مولانا فراہی کے یہ قرآنی حواشی ہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ قرآن مجید کے مطالعہ کے لیے مولانا فراہی نے اپنے مصحف کی جلد بندی اس طور پر کرائی تھی کہ مصحف کے ہر ورق کے بعد ایک سادہ ورق ہوتا تھا۔ دوران مطالعہ جو باتیں ذہن میں آتیں انھیں یادداشت کے طور پر انھیں اوراق پر نوٹ کرلیتے تھے۔ اس کی حیثیت محض یادداشت کی تھی اشاعت پیش نظر نہیں تھی۔ عین ممکن ہے کہ اس میں بیان شدہ بعض اقوال سے آپ نے رجوع کرلیا ہو یا مفسرین میں سے اگر آپ نے کسی کا تذکرہ کیا ہے تو اس کا مقصد اس کی تائید نہ ہو بلکہ پیش نظر اس پر نقد رہا ہو یا کوئی اور وجہ رہی ہو۔ اسی وجہ سے مولانا امین احسن اصلاحیؒ ان حواشی

کی اشاعت کے حق میں نہیں تھے[۴]۔

فاضل مرتب نے اپنے پیش لفظ میں تحریر کیا ہے کہ ’’غالباً اس طرح کے تین نسخے مولانا فراہی کے پاس تھے۔ لیکن اصل نسخے انھیں دستیاب نہیں ہو سکے۔ کیونکہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے پاکستان ہجرت کرتے وقت یہ نسخے ان کے ساتھ چلے گئے تھے۔ مولانا اختر احسن اصلاحیؒ جو بجائے خود قرآنیات میں گہرا درک رکھتے تھے اور مولانا فراہی کے عزیز تلامذہ میں سے تھے، ان کے پاس بھی ان حواشی کا ایک نسخہ موجود تھا جو انھوں نے اپنے استاذ کے مصحف سے نقل کیا تھا۔ اسی طرح مولانا بدرالدین اصلاحیؒ کے پاس بھی اس طرح کا ایک نسخہ موجود تھا۔ انھیں دونوں نسخوں کی مدد سے ان حواشی کو مرتب کر کے افادہ عام کے لیے شائع کیا گیا ہے[۵]۔ ساتھ ہی متعدد سورتوں کی تفسیر جو حد درجہ مختصر بلکہ بعض تو ایک یا دو فصلوں پر مشتمل تھی اسے بھی اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ مرتبین کو ایک ایسی بیاض دستیاب ہو گئی تھی جس میں چند مختلف سورتوں کی الگ الگ آیات کی تفسیر بیان ہوئی تھی۔ اس کو بھی ہر سورہ کے اندر اسی سورہ کے ذیل میں بین القوسین درج کر کے حاشیہ میں (من تفسیراتہ) کا اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مصحف میں مختلف مقامات پر آیات کے تحت امام فراہی نے اشارات بھی تحریر کیے تھے اسے بھی حاشیہ میں (من اشاراتہ تحت الآیۃ) کے نشان کے تحت اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مؤلف کی مطبوعہ تصانیف یا مخطوطات میں آیت کی تفسیر سے متعلق کوئی کام یا اشارہ اگر دستیاب ہو سکا ہے تو اسے بھی شامل مجموعہ کر دیا گیا ہے[۶]۔ اس طرح یہ حواشی بیش تر آیات سے متعلق مولانا فراہی کی تفسیری آراء جاننے کا ایک معتبر ماخذ بن گئے ہیں۔ اور ان کی ناتمام تفسیر ’’نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان‘‘ کے مطالعہ سے قاری کے اندر تشنگی کا جو احساس باقی رہ جاتا تھا اس کا بہت حد تک ازالہ بھی ہو گیا ہے۔

ان حواشی کے اندر امام فراہیؒ کے منہج تفسیر کی کارفرمائی واضح طور پر نظر آتی ہے۔ اس میں سورتوں کے عمود کی تعیین کی گئی ہے، مفردات کی تحقیق پیش کی گئی ہے اور اس کے لیے کلام عرب سے استشہاد بھی کیا گیا ہے۔ کلام کی نحوی تراکیب اور بلاغی پہلوؤں کی

طرف بھی جا بجا مفید اشارات ہیں۔ نیز اس سلسلے میں اہل فن کی طرف سے ہونے والے بعض تسامحات کا ذکر کر کے اس پر تنقید کی گئی ہے۔ کلام کے صحیح معنی و مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اسالیب کلام سے واقفیت کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ کیونکہ اسالیب کلام پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے انسان بسا اوقات شدید قسم کی غلطیوں کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ مولانا فراہیؒ نے اپنے ان حواشی میں اس پہلو کو بھی خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے اور متعدد مقامات پر ان حواشی میں اسالیب کلام کی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ بعض مقامات پر آیات کی انتہائی مؤثر اور دلنشین تفسیر بیان کی گئی ہے اور کہیں صرف مجمل اشارات سے کام لیا گیا ہے اور یہ کہہ کر آگے نکل گئے ہیں کہ بعد میں اس کی وضاحت کی جائے گی۔ ان حواشی کے اندر آیات سے نکلنے والے معانی و مفاہیم کی تائید و تشریح میں احادیث و آثار صحابہ کا حوالہ بھی ہے اور قدیم کتب تفاسیر کا ذکر بھی۔ قدیم صحائف پر مولانا فراہی کی گہری نظر تھی، آپ نے عبرانی زبان سیکھی تھی اور براہ راست عبرانی نسخے سے استفادہ کرتے تھے اور تفسیر قرآن میں جزوی ماخذ کی حیثیت سے اس سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ اس کے جا بجا حوالے بھی ان حواشی کے مختلف صفحات پر نقل کیے گئے ہیں۔ ان حواشی کی روشنی میں مولانا فراہیؒ کے اصول تفسیر کا جائزہ لیا جائے تو انھیں درج ذیل عناوین کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

(ا) تفسیر القرآن بالقرآن (ب) احادیث و آثار صحابہ سے استفادہ

(ج) قدیم تفاسیر سے استفادہ، نیز کلام عرب، اسلوب کلام اور سیاق و سباق کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے ان کی تفاسیر میں راہ پا جانے والے بعض تسامحات کی نشان دہی۔

(د) مفردات کی تحقیق اور اسلوب کلام کی وضاحت کے لیے کلام عرب سے استشہاد۔

(ھ) قدیم صحائف سے استفادہ اور قصص و واقعات کے ضمن میں قرآن اور دیگر صحف سماویہ کا تقابلی مطالعہ۔

(و) نحوی تراکیب کی مثالیں اور بعض ماہرین نحو کے اصولوں پر تنقید۔

علامہ فراہیؒ نے جن اصولوں پر متعدد چھوٹی سورتوں کی تفسیر لکھی تھی اور سورہ بقرہ وآل عمران کی تفسیر لکھ رہے تھے بہت حد تک ان حواشی میں بھی اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان کا منہج تفسیر مزید واضح ہوجائے گا۔

تفسیر القرآن بالقرآن:

القرآن یفسر بعضه بعضا قرآن کا ایک عام اصول ہے۔قرآن مجید کی سب سے بہتر تفسیر وہ ہے جو خود قرآن سے کی جائے۔ علامہ ابن تیمیہ تفسیر القرآن بالقرآن کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

فان قال قائل ما أحسن طرق التفسير فالجواب أن اصح الطرق فی ذلک أن یفسر القرآن بالقرآن فما أجمل فی مکان فانه قد فسر فی موضع آخر وما اختصر من مکان فقد بسط فی موضع آخر فان أعیاک ذلک فعلیک بالسنة فانها شارحة للقرآن وموضحة له۔ ؎

(اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ تفسیر کا بہترین طریقہ کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔اس لیے کہ ایک جگہ اس میں اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل کردی گئی ہے اور جو چیز ایک جگہ اختصار کے ساتھ بیان ہوئی ہے دوسری جگہ اسے پھیلا دیا گیا ہے۔اگر اس سے تمہاری دشواری حل نہ ہو تو سنت کو مضبوطی سے پکڑو۔اس لیے کہ وہ قرآن کی شارح اور اس کے اجمالات کو کھولنے والی ہے۔)

مولانا فراہیؒ نے اپنی مطبوعہ تفسیر میں تفسیر القرآن بالقرآن کا بھرپور اہتمام کیا ہے۔ ان حواشی میں بھی یہ اصول ہمیشہ مدنظر رہا ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی

جائے۔ اور قرآن سے ہی اس کے مشکل مقامات حل کیے جائیں۔ وہ جس لفظ پر بحث کرنا چاہتے ہیں پہلے ان تمام آیات کا استقصاء کرتے ہیں جن میں یہ لفظ آیا ہے اور پھر اس کے استعمالات پر غور کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا فراہی سورہ کے مرکزی موضوع، آیات کے سیاق وسباق اور نظائر کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کی روشنی میں ان کا مفہوم متعین کرتے ہیں۔ مولانا فراہی کے یہاں اس اصول کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہو:

سورہ بقرہ ۱۶۵ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ: ''بعینہ اسی مضمون کی آیت سورہ انبیاء میں بھی ہے۔ ''لو یعلم الذین کفروا حین لایکفون عن وجوھھم النار ولا عن ظھورھم ولا ھم ینصرون'' (الانبیاء/۳۹)۔ آیت کریمہ '' اذ یرون العذاب'' دوسری آیت ''حین لایکفون'' کی طرح ہے۔ یعنی اگر ظالموں کو آج اس چیز کی بابت معلوم ہو جائے جس کا پتہ انھیں آخرت میں چلے گا تو وہ اپنی روش سے باز آجائیں۔ توبہ اور خشیت کی راہ اختیار کریں۔ لیکن اس کا علم انھیں اس وقت ہوگا جب جاننا ان کے لیے سود مند نہیں ہوگا بلکہ ان کے لیے حسرت و افسوس کا مقام بن جائے گا۔ یہ مفہوم اس صورت میں ہوگا کہ (حین) کو مفعول قرار دیا جائے یا مفعول محذوف مانا جائے۔ یعنی اگر انہیں اپنے احوال کی بابت اس وقت معلوم ہو جب کہ وہ روک نہیں پائیں گے۔ قرآن میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ سورہ سبا میں ہے: ''ولو تری اذ فزعوا فلا فوت'' (سبا/۵۱)۔ اگر یہ درست ہے تو آیت کی وہی تاویل ہوگی جو اس سے مشابہ دوسری آیت میں ہم نے کی ہے۔

سورہ نحل/۴۴: ''بالبیّنٰت والزبر'' کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس کا تعلق آیت کریمہ: ''وما أرسلناک من قبلک الا رجالا نوحی الیھم''۔ سے ہے۔ مفسرین نے اس کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں۔ بینات ذکر کے مفہوم میں ہے جیسا کہ آیت کریمہ ہے: ''ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر'' (الانبیاء/۱۰۵)۔ حضرت ابن عباسؓ کے مطابق ذکر سے مراد توریت ہے۔ آگے آیت ۶۴ میں ہے: ''وما أنزلنا علیک

الکتاب الا لتبین" ۔میرے نزدیک کتاب، توریت اور ذکر ایک ہی چیز ہیں۔اور اس سے مراد توحید اور شرعی احکام ہیں۔اس کے بالمقابل حکمت یعنی نصائح ہیں اور زبور یعنی خدائی نغمے ہیں، تا کہ وہ اہل کتاب کے سامنے واضح کر دیں۔

بقرہ/۱۱۳ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:"یحکم بینهم" یعنی دین کے ان امور کی بابت فیصلہ کرے جس میں ان کا اختلاف ہے۔اس وجہ سے کہ بدعت وخواہشات کو ان کی نگاہوں میں کھبادیا گیا ہے۔قرآن کریم میں ان کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ملاحظہ ہو (شوریٰ/۱۰) اور (جاثیہ/۱۷)۔ابن جریر نے آیت کی تاویل میں ایک لمبی روایت نقل کی ہے اور اس کی سخافت وضعف کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

احادیث وآثار صحابہ سے استفادہ

احادیث کے سلسلے میں مولانا فراہی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ قرآن کو اصل اور حدیث کو ایک فرع کی حیثیت دیتے ہیں۔اس کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن کی صحت قطعیت کے ساتھ ثابت ہے جب کہ روایتِ حدیث میں اس بات کا احتمال ہے کہ وہ صحیح طور پر محفوظ نہ کی گئی ہو۔مقدمہ نظام القرآن میں تفسیر کے خبری ماخذ کے تحت لکھتے ہیں:"اصل و اساس کی حیثیت تو صرف قرآن کو حاصل ہے۔اس کے سوا کسی چیز کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔باقی فرع کی حیثیت سے تین ہیں۔(۱) احادیث نبویہ (۲) قوموں کے ثابت شدہ احوال جن پر امت نے اتفاق کیا (۳) سابقہ انبیاء کے صحیفوں میں جو کچھ محفوظ رہ گیا ہے۔ اگر ان تینوں میں ظن اور شبہ کو دخل نہ ہوتا تو ہم ان کو فرع کے درجہ میں نہ رکھتے بلکہ سب کی حیثیت اصل کی قرار پاتی"۸۔اپنے مقدمہ میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ:"پہلی چیز جو قرآن کی تفسیر کے باب میں مرجع کا کام دے سکتی ہے خود قرآن ہے۔اس کے بعد نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کا فہم ہے۔پس میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے سب سے زیادہ پسند وہی تفسیر ہے جو پیغمبر اور صحابہ سے منقول ہو۹۔اپنے طریقہ تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:"میں یقین رکھتا ہوں کہ صحیح احادیث اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے،

تاہم میں روایات کو بطور اصل نہیں بلکہ بطور تائید پیش کیا کرتا ہوں۔ پہلے ایک آیت کی تاویل اس کے ہم معنی دوسری آیات سے کرتا ہوں۔ اس کے بعد تبعاً اس سے متعلق صحیح احادیث کا ذکر کرتا ہوں"۱۰۔ حدیث کو اصل نہ ماننے کی وجہ مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ احادیث میں صحیح وسقیم کی تمیز ایک مشکل کام ہے اور دین کی بنیاد کسی غلط روایت پر رکھنا بے حد خطرناک ہے، لہٰذا وہ مصر ہیں کہ دین کے ہر معاملہ کی بنیاد قرآن کی نصوص ہی پر قائم کرنی چاہیے۔ اپنی کتاب "التکمیل فی اصول التاویل" میں لکھتے ہیں کہ "قرآن کو سمجھے بغیر اگر آپ حدیث کی طرف دیوانہ وار رجوع کریں جب کہ اس میں صحیح وسقیم دونوں طرح کی روایات ملی ہوئی ہیں تو دل میں کوئی ایسی رائے بیٹھ جاتی ہے جس کی قرآن میں کوئی اصل نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی وہ قرآن کی ہدایت کے مخالف بھی ہوتی ہے۔ اس کی بنا پر آپ تاویل قرآن میں کسی سقیم حدیث پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ اس طرح حق باطل کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتا ہے۔ سیدھا راستہ یہ ہے کہ آپ قرآن سے ہدایت حاصل کریں، اسی پر اپنے دین کی بنیاد رکھیں۔ اس کے بعد احادیث پر غور کریں۔ اگر بادی النظر میں ان کو قرآن سے بیگانہ پائیں تو ان کی تاویل کتاب اللہ کی روشنی میں کریں۔ اگر مطابقت پیدا ہو جائے تو اس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اور اگر تطابق ممکن نہ ہو تو قرآن پر عمل ضروری ہے۔۱۱۔

مولانا فراہی اس عام اصول کے مطابق سورہ کے مرکزی موضوع، سیاق وسباق اور نظائر کو پیش نظر رکھ کر جو مفہوم متعین کرتے ہیں اس کی تائید میں اگر کوئی روایت مل جائے تو وہ اس کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں مذکور الفاظ کی تشریح اگر صحیح احادیث میں ملتی ہے تو اس کا حوالہ بھی دے دیتے ہیں۔ اسی لیے مولانا کے ان حواشی میں متعدد مقامات پر احادیث وآثار صحابہ کا حوالہ ملتا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

سورہ آل عمران/۱۲۵ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوا کہ صبر و تقویٰ کے نتیجہ میں فتح حاصل ہوتی ہے اور اس سے واضح ہو گیا کہ تقویٰ میں انفاق بھی

شامل ہے۔ اوراس کے ذریعہ جہنم کی آگ سے بچا جا سکتا ہے جیسا کہ آگے کی آیات میں وضاحت ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا بھی یہی فرمان ہے: "**اتقوا النار ولو بشق تمرة**" (جہنم کی آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی خرچ کر کے)[۱۲]۔ انفاق عام ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**ینفقون فی السراء والضراء**" (آل عمران/۱۳۴)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدحالی میں انفاق زیادہ نہیں ہوتا ہے۔

سورہ نساء/۴۱ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ "شھید شفیع کے معنی میں ہے۔ جب لوگ شفیع کا مفہوم بدل کر شفعاء کی پرستش کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس مفہوم کو باطل کر دیا۔ اور شہید کا لفظ استعمال کیا۔ شہید سے مراد وہ شخص ہے جسے بارگاہ الٰہی میں جنبش لب کی اجازت ہوگی اور اس کے توسط سے اللہ تعالیٰ جس کی چاہے گا مغفرت فرمائے گا۔ وہاں کسی کو کلام کی مجال نہیں ہوگی۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ صحابہ کرام اور صلحائے امت بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح لوگوں پر گواہ بنائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**کذلک جعلنکم امة وسطاً لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیداً**" (البقرہ/۱۴۳) اور یہ نبی کریم ﷺ کا عظیم مرتبہ ہے۔ اس کے بعد امام فراہیؒ نے ابن مسعود کی یہ روایت نقل کی ہے: **أن النبی ﷺ قال لابن مسعود اقرأ القرآن علی، قال: فقلت یا رسول الله: أنت الذی علمتنیه، فقال: أحب ان اسمعه من غیری، قال ابن مسعود: فافتتحت سورة النساء فلما انتهیت الی هذه الآیة بکی رسول الله فأمسکت عن القرأة**"[۱۳]۔

سورہ مائدہ/۱۰۳ "**ما جعل الله من بحیرة ولا سائبة ولا وصیلة ولا حام ...**" میں مذکورشدہ الفاظ کی توضیح کے سلسلے میں بخاری کی روایت نقل کی ہے[۱۴]۔

قدیم تفاسیر سے استفادہ اوران کے بعض تسامحات کی نشان دہی

متن قرآن پر براہ راست تدبیر وتفکر کا مولانا کا جو طریقہ ہے اس سے کبھی کبھی یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ شاید قدیم تفاسیر کا جو ذخیرہ امت کے پاس موجود ہے اسے وہ نظر

انداز کررہے ہیں۔ اس کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ مولانا کی مطبوعہ تفسیر میں قدیم مفسرین کے حوالے بہت کم ملتے ہیں۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا کے پیش نظر تفسیر کی تمام اہم اور متداول کتابیں رہی ہیں۔ بلکہ وہ ان سب کی رایوں کا جائزہ لیتے ہیں اور انھیں ایک جوہری کی طرح پرکھ کر جس رائے کو قرآن کے الفاظ اور اس کے سیاق وسباق سے قریب پاتے ہیں اسے اختیار کرتے ہیں۔ مولانا کے ان حواشی کے سرسری جائزہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تفسیر طبری اور مفاتیح الغیب للرازی خصوصی طور پر آپ کے پیش نظر رہی ہیں۔ کیونکہ تعلیقات کے متعدد مقامات پر ان کے حوالے نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ حواشی میں جن تراجم و تفاسیر کا ذکر ملتا ہے اس میں تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، تفسیر بیضاوی ، درمنثور، تفسیر مہائمی اور شاہ عبدالقادر کے تراجم و تفاسیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس ضمن میں ان مفسرین سے ہونے والے بعض تسامحات کی نشان دہی کے ذکر کے ساتھ ساتھ بعض مقامات پر ان پر تنقید بھی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

سورہ مائدہ/۴ کے حاشیہ میں ''الطیبٰت'' کی تشریح میں امام رازی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''یہاں طیبٰت سے مراد ذبائح ہیں۔ کیونکہ عرب ذبح کو طیب کہتے ہیں اور مردار کو خبیث۔

سورہ النساء/۱۴۰ ''**وقد نزل علیکم فی الکتاب أن اذا سمعتم ...... انکم اذا مثلهم**'' کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: ''سورہ انعام کی تفسیر میں ہم نے جو ذکر کیا ہے۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ مفسرین نے یہ سمجھ لیا کہ وہ آیت اس کے ذریعہ منسوخ ہوگئی ہے جیسا کہ ابن جریر نے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس میں نسخ نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت میں اس وقت ان کے پاس بیٹھنے سے منع کردیا گیا ہے۔ جب وہ ان کا مذاق اڑا رہے ہوں، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہوجائیں۔

سورہ توبہ/۹ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ: ''سلف کے برخلاف امام رازی کے نزدیک یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ انھوں نے دلیل کے طور پر دو چیزیں پیش کی ہیں۔ (۱) آیت کریمہ ''اشتروا بآیات اللہ ثمنا قلیلا'' اہل کتاب کے ساتھ

مخصوص ہے۔ (۲) "الا ولا ذمة" کی تکرار۔

ابن تیمیہؒ کے تسامح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''آل عمران ۱۱۰ میں فعل کی نسبت صیغہ جمع کے ساتھ جماعت کی طرف من حیث الجماعت ہے۔ اسے جماعت کے ایک ایک فرد کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ ابن تیمیہؒ نے یہ سمجھا کہ اس امت کے ایک ایک فرد پر امر بالمعروف واجب ہے۔ اسی بنیاد پر آل عمران ۱۰۴ کی توضیح میں ان سے خطا ہوگئی۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ "منکم" میں من تبعیض کے لیے نہیں ہے۔ انھوں نے شاذ رائے اختیار کی اور عام رائے کو ترک کر دیا۔ حالانکہ یہ اصول تاویل، سنت، حکمت اور سیاق کے خلاف ہے۔

کلام عرب سے استشہاد

آیات قرآنی کی تشریح و توضیح میں کلام عرب سے استشہاد کا رجحان عہد صحابہ ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کو کثرت سے اشعار یاد تھے اور وہ ان سب سے حسب موقع استدلال کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "یا ایها الناس علیکم بدیوانکم شعر الجاهلیة فان فیه تفسیر کتابکم ومعانی کلامکم" ۱۵؎۔ (لوگوں: جاہلیت کے اشعار یاد کیا کرو۔ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی ہیں)۔ حضرت ابن عباسؓ سے قرآن کے کسی لفظ کا مفہوم دریافت کیا جاتا تو وہ اس کی وضاحت کے ساتھ تائید میں شعر بھی پیش کیا کرتے تھے ۱۶؎۔ ان کا قول ہے: "الشعر دیوان العرب، فاذا خفی علینا الحرف من القرآن الذی انزله الله بلغة العرب رجعنا الی دیوانها فالتمسنا معرفة ذلک منه" ۱۷؎۔ (شاعری عربوں کا دیوان 'علمی سرمایہ' ہے۔ قرآن جسے اللہ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے اگر اس کا کوئی حرف ہم پر مخفی رہ جاتا ہے تو ہم شاعری کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے واسطے سے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح میں کلام عرب سے استشہاد و استفادہ عہد صحابہ کے بعد بھی جاری رہا۔ ابوبکر بن الانباری

فرماتے ہیں: ''قد جاء عن الصحابة والتابعين كثير الاحتجاج على غريب القرآن ومشكله بالشعر'' ۱۸۔ (صحابہ اور تابعین کے بارے میں مروی ہے کہ وہ قرآن کے غریب الفاظ اور مشکلات کو حل کرنے کے سلسلے میں اشعار سے بہت زیادہ استدلال کرتے تھے۔ قدیم مفسرین نے اس سلسلے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور ان کی تفاسیر میں، خواہ تفسیر بالروایت کی نمائندہ ہوں یا تفسیر بالرای کی، کلام عرب سے استشہاد کی کافی مثالیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً طبری (۲۲۴-۳۱۰ھ) زمخشری (۴۶۷-۵۳۸ھ) رازی (۵۴۴-۶۰۶ھ) اور قرطبی (م ۶۷۱ھ) وغیرہ نے سینکڑوں اشعار استشہاد میں نقل کیے ہیں۔

بیسویں صدی کے مفسرین میں امام فراہیؒ کو اس معاملے میں امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے قرآن کے غوامض ومشکلات اور غرائب کو حل کرنے کے لیے جہاں ایک طرف تفسیر القرآن بالقرآن اور نظم قرآن کے اصولوں کو بنیاد بنایا وہیں دوسری طرف کلام عرب سے نظائر تلاش کر کے اپنے نتائج تحقیق کو مدلل کیا۔ مولانا اپنے مقدمہ نظام القرآن میں تفسیر کے لسانی ماخذ کے تحت لکھتے ہیں کہ: ''اصطلاحات شرعیہ کے علاوہ باقی رہے دوسرے الفاظ اور حقیقت ومجاز کے مختلف اسلوب تو اس باب میں ماخذ قدیم کلام عرب اور خود قرآن مجید ہے۔ لغت کی کتابیں ان چیزوں کی تحقیق میں کچھ زیادہ رہنمائی نہیں کرتیں۔ ان سے بالعموم نہ تو الفاظ کی پوری حقیقت معلوم ہوتی ہے نہ عربی خالص اور عربی مولد کے درمیان کوئی امتیاز ہوتا ہے۔ اور نہ لفظ کی جڑ کا پتہ لگتا ہے کہ معلوم ہو سکے کہ کیا اصل ہے کیا فرع ہے اور کیا حقیقت ہے کیا مجاز؟ تو جو لوگ کلام عرب میں مہارت نہیں رکھتے بلکہ صرف لغت کی کتابوں پر قانع ہو جاتے ہیں وہ بسا اوقات قرآن مجید کے معانی سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں'' ۱۹۔

مولانا فراہیؒ نے الفاظ کے صحیح معنی ومفہوم کی وضاحت کے لیے کلام عرب سے استفادہ کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک الفاظ کے وہی مفہوم قابل قبول ہو سکتے ہیں جو اہل عرب کے یہاں مستعمل ہیں۔ کسی لفظ کا شاذ مفہوم جو اہل عرب کے یہاں مستعمل نہیں ہے قابل قبول نہیں ہوگا۔ مولانا کی دیگر تصانیف کی طرح ان حواشی میں بھی جابجا

عربی اشعار نظر آتے ہیں اور تقریباً چالیس سے زائد مقامات پر آپ نے الفاظ کی تحقیق، اسلوب کلام کی وضاحت اور نحوی تراکیب کے ذیل میں کلام عرب سے استشہاد کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

سورہ مائدہ/۸:"یآیھا الذین آمنوا کونوا قوامین لله شھداء بالقسط" میں لفظ شہید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "شہید رسول کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو شہداء کہا ہے۔ شہید نگہبان اور محافظ کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ اسی سورہ کے آخر میں ہے۔ (اشارہ اس آیت کی طرف ہے:"وکنت علیھم شھیدا ما کنت فیھم" مائدہ/۱۱۹)۔ حارث بن حلزہ نے اپنے معلقہ کے آخری شعر میں اسی مفہوم میں لفظ شہید کا استعمال کیا ہے۔ مولانا فراہیؒ نے یہاں صرف اشارے پر اکتفا کیا ہے، شعر نقل نہیں کیا ہے۔ حارث کا شعر اس طرح ہے:

وھو الرب والشھید علی یو م الحیارین والبلاء بلاء

مائدہ/۱۱۱ میں لفظ وحی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: "اصل مفہوم کے لحاظ سے وحی کے معنی کسی خیال کے القاء کرنے کے ہیں۔ اس میں نطق شرط نہیں ہے۔ کلام عرب میں لفظ وحی کا یہی مفہوم عام ہے۔ مشہور جاہلی شاعر علقمہ کا شعر ہے:

یوحی الیھا بأنقاض ونقنقة کما تراطن فی أفدانھا الروم

اس مفہوم کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو (نحل/۶۸) اور (شوریٰ/۵۱)۔

سورہ ہود/۷۳ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "أتعجبین" اور "علیکم" میں ضمیر ابراہیمؑ کی زوجہ کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ عورتوں کے لیے جمع مذکر کی ضمیر کا استعمال عام ہے۔ بالخصوص جب اس سے اہل مراد ہو۔ جیسا کہ احزاب میں ہے:"یرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" (الاحزاب/۳۳)۔ اشعار عرب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ امرؤالقیس کا شعر ہے:

فلو کان اھل الدار فیھا کعھدنا وجدت مقیلاً عندھم و معرسا

عمر بن ربیعہ کا شعر ہے جس نے آیت کریمہ کی طرح دونوں خطاب کو جمع کر دیا ہے:

امام فراہیؒ لکھتے ہیں کہ اگر اشعار کا ذکر شاق نہ گزرے تو میں اس سلسلے کے بہت سے اشعار پیش کرسکتا ہوں۔ سورہ قصص میں حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

قدیم صحف سماویہ سے استفادہ

اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے بارے میں منقول واقعات کی بحث وتحقیق کے ذیل میں علامہ فراہی تفسیر کی کتابوں میں بیان کردہ روایات نقل کرنے کے بجائے خود قرآن کی متعلقہ آیات سے استدلال کرتے ہیں تاکہ ان کے خلاف حجت قائم کرسکیں۔ اپنے مقدمہ تفسیر میں وہ لکھتے ہیں کہ ''قرآن مجید کو مضبوطی سے تھامے رہنے کے بعد سابقہ کتب سے دلائل پیش کرتا ہوں۔ نیز ان کے واقعات کے ذیل میں بیان کردہ احادیث بھی نقل کرتا ہوں۔ اس سے میرے پیش نظر مقصود یہ ہوتا ہے کہ جس سلسلے میں آیات میں موافقت پائی جاتی ہیں اس کو واضح کردوں اور سابقہ دونوں گروہوں پر خود انھیں کی کتابوں سے حجت قائم کردوں'' ۲۰۔ مولانا فراہی نے گذشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتابیں جو کسی بھی شکل میں محفوظ ہیں انھیں فروعی ماخذ میں شمار کیا ہے اور اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ ان فروعی ماخذ کے صرف انھیں اجزاء کو قبول کریں گے جس کی قرآن سے تائید ہوتی ہو اور جو قرآن کے بیان کردہ حالات کی تصدیق کرتے ہوں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''جو شخص بھی سابقہ کتب پر غور کرے گا اس کے سامنے یہ حقیقت بالکل واضح ہوجائے گی کہ قرآنی تعلیمات کتب سابقہ سے افضل ہیں۔ اہل کتاب نے جس حقیقت کو فراموش کردیا تھا اس کا ازسرنو اس میں اعادہ کردیا گیا ہے۔ نیز ان کی جن آیات میں وہ تحریف کے مرتکب ہوئے تھے اس کو بھی واضح کردیا گیا۔ اور ایک اہم بات یہ ہے کہ قرآن نے جس چیز کو بیان کیا ہے اور فروع میں جس چیز کا ذکر ملتا ہے دونوں کے درمیان تم حد فاصل قائم کرسکو تاکہ باہم یہ خلط ملط نہ ہوں'' ۲۱۔ آپ نے نہ صرف اپنی مطبوعہ تفسیر میں اس بات کا التزام رکھا ہے بلکہ حواشی میں بھی اس کا اہتمام واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اس میں بھی متعدد مقامات پر

سابقہ صحف کے حوالے ہیں اور قرآن اوران کے بیان کے درمیان موازنہ کی کوشش کی گئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ آل عمران/۸۱ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:"**واذ اخذالله میثاق النبیین**" یعنی نبیوں کے حق میں عہد لیا۔ یہود سے خاص طور پر یہ عہد لیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو، خروج/۲۳، ۲۴، اور عدد ۱۶، ۱۷/۲۴، ۲۹۔ اسی طرح نصاریٰ سے بھی یہ عہد لیا گیا تھا جیسا کہ یوحنا کے آخر میں تمھیں نظر آئے گا۔

سورہ الکہف/۹۴ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج سے مراد مسیحی اقوام ہیں جیسا کہ توریت میں صراحت کی گئی ہے۔ سورہ قصص/۷ میں "**فاذا خفت علیہ**" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ خوف کا تعلق فرعون کے عذاب سے ہے۔ اس میں قتل کی طرف اشارہ ہے اگرچہ صراحت نہیں کی گئی ہے۔ جب صورت حال یہ تھی تو اعراف/۱۱۷"**سنقتل ابناؤھم**" کی توضیح میں مشکل درپیش آئی اور مفسرین کے مختلف اقوال سامنے آئے۔ بعض کے نزدیک وہ ایسا کرتا تھا جب کہ موسیٰ کی ولادت کے وقت شروع میں اس نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ اس نے ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا۔ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ تہدید بعد کی ہے۔ (یہ وضاحت امام رازی نے کی ہے) توریت میں ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد کو سمندر میں ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ جب موسیٰ کی ولادت ہوئی تو ان کی ماں کو تین ماہ تک خوف لاحق رہا۔ اور جب چھپانا ممکن نہیں رہا تو بانس اور نرکل کی ایک چھوٹی سی کشتی بنا کر اس کو سمندر میں ڈال دیا۔ مذکورہ آیت میں ام موسیٰ کے اسی خوف کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قوم فرعون کے کسی فرد کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

نحوی تراکیب کی مثالیں

مولانا فراہی نے اپنی تفسیر میں جن سات عنوان کے تحت گفتگو کی ہے اس میں نحو بھی شامل ہے۔ اور انھوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نحو و بلاغت کی موجودہ کتب کی قرآن کی روشنی میں از سر نو جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ اپنے تمام

تر وقت و باریک بینی کے باوجود قرآن کریم کے اسالیب کو سمجھنے میں بہت زیادہ معاون نہیں ہے۔ اپنے ان حواشی میں وہ متعدد مقامات پر نحوی اشکالات حل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کہیں کہیں ماہرین نحو پر انھوں نے نقد بھی کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

سورہ شعراء/۴ "فظلت اعناقهم لها خاضعين" کے حاشیہ پر مولانا نے لکھا ہے کہ یہ نحوی لحاظ سے مشکل ترین آیتوں میں سے ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ ظلت یہاں فعل اصلی کے طور پر استعمال ہوا ہے اور "خاضعين" "اعناقهم" کی ضمیر ہم سے حال واقع ہے۔

سورہ الرحمٰن/۲۶ "كل من عليها فان" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "ضمیر مؤنث کا مرجع زمین ہے اگرچہ آیت سے پہلے اس کا ذکر نہیں ہے۔ کلام عرب میں اس طرح کی مثالیں بہت ہیں۔ اگر قرینہ موجود ہو (تو مرجع کا ذکر ضروری نہیں ہے) اس آیت میں قرینہ زمین کی کشتیوں سے مشابہت ہے۔

سورہ الزمر/۱۴ "قل الله اعبد مخلصا له ديني" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "ديني" کو میں "دین" بمثل "فاتقون" کے پڑھتا ہوں اسی طرح سورہ قیامۃ میں پڑھتا ہوں "فاذا بلغت التراقی وقيل من راق"۔ روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ ان آیات پر وقف کرتے تھے۔ سیبویہ سے یہاں سہو ہو گیا ہے، اس نے کہا یہ شعر کے ساتھ مخصوص ہے۔ حالانکہ یہ عام ہے۔ کیا ہم عمرو بن عاص نہیں کہتے؟ کیا ہم "واق" اور "لكم دينكم ولی دين" نہیں پڑھتے؟ کلام کے آخر یا شعر سے یاء متکلم اور یاء ناقص کو حذف کر دینا عام ہے۔ (ملاحظہ ہو سورہ ذاریات/۵۶-۵۷)

مولانا فراہی کے ان حواشی کی حیثیت چونکہ محض یادداشت کی ہے اس لیے انھوں نے زیادہ تر صرف اشارات سے کام لیا ہے اور اس ضمن میں سورتوں میں باہمی ربط، ماقبل و مابعد آیات میں ربط، دیگر قرأتوں سے استدلال، سورتوں کا اجمالی تعارف، تفصیل کے لیے اپنی دیگر تصانیف اور قدماء میں سے بعض اہم تصانیف مثلاً معانی القرآن

للفراء، لسان العرب لابن منظور، الاتقان للسیوطی، السیرۃ الحلبیۃ، السیرۃ النبویۃ وغیرہ کا بھی کہیں کہیں حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح نظم جسے مولانا فراہی کے یہاں آیات کے صحیح فہم میں شاہ کلید کی حیثیت حاصل ہے اس کی طرف بھی مفید اشارات کیے گئے ہیں۔ دو تین مقامات پر فقہی مسائل کی طرف اشارہ ہے اور فارسی زبان میں بھی کہیں کہیں وضاحت کی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مولانا فراہیؒ نے اپنی تفسیر کو جن سات عناوین (مقدمہ، الکلم، نحو، بلاغت، تاویل، تدبر، نظم) کے تحت تقسیم کر کے ان میں جن امور کی بابت گفتگو کا وعدہ کیا تھا۔ ان تمام امور کی کارفرمائی مولانا کے ان مطبوعہ حواشی میں واضح طور پر نظر آتی ہے اور اس طرح مولانا کی ناتمام علمی تفسیر کے مطالعہ سے قاری کے اندر مولانا کے منہج تفسیر کے مطابق پوری تفسیر پڑھنے کی جو خواہش ہوتی تھی کسی حد تک اس کی تکمیل ہوگئی۔ مولانا کے ان حواشی کو پڑھ کر بیش تر آیات سے متعلق براہ راست مولانا کے نقطہ نظر سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ اس تالیف کو مزید بہتر اور قابل فہم بنانے کے لیے اس میں ابھی چند اور کام کیے جاسکتے ہیں۔ جانشین فراہی اور شیدائیان قرآنیات کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کتاب میں مذکور اشعار، روایات، آثار صحابہ و تابعین کی تخریج و تحقیق کے بعد اصل مصادر و مراجع کی نشان دہی کردیں۔ اس طرح قدیم مفسرین، ان کی تفاسیر، ماہرین نحو اور اہل بلاغت کی آراء کا جہاں کہیں تذکرہ ہے اصل ماخذ سے موازنہ کر کے اس کی تفصیل پیش کردیں۔ اس سلسلے میں احمد شاکر، محمود شاکر اور احمد حسن فرحات وغیرہ کی تحریر کردہ کتابوں کا مطالعہ بھی مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ نیز کتاب کے شروع یا آخر میں سورتوں کی اشارہ جاتی فہرست درج کردینے سے کتاب کی وقعت میں مزید اضافہ ہوگا اور عام قارئین کے لیے بھی اس سے استفادہ آسان ہوسکے گا۔

حواشی و مراجع

۱ علامہ حمید الدین فراہی- حیات و افکار، مقالات فراہی سمینار، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ،۱۹۹۲ء،ص۱۳-۱۴

۲ سلطان احمد اصلاحی، مولانا فراہی کے غیر مطبوعہ قرآنی حواشی، ششماہی علوم القرآن، جنوری- جون ۱۹۹۰ء، ص۵۱-۶۷

۳ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور (اشاعت دوم) جون ۱۹۸۵ء، ۱/۴۱

۴ الامام عبدالحمید الفراہی، تعلیقات فی تفسیر القرآن الکریم، الدائرہ الحمیدیہ، سرائے میر اعظم کرہ، الجزء الاول، ص۶

۵ تعلیقات، محولہ بالا، ص۴

۶ تعلیقات، محولہ بالا، ص۵

۷ النجید الحنبلی، عبدالرحمٰن، فتاوی ابن تیمیہ، فہد بن عبدالعزیز آل سعود، ج ۱۳، ص۳۶۳

۸ حمید الدین فراہی/ مترجم: امین احسن اصلاحی، تفسیر نظام القرآن، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص۳۹

۹ تفسیر نظام القرآن، ص۳۵

۱۰ تفسیر نظام القرآن، ص۳۶

۱۱ الامام عبدالحمید الفراہی، رسائل الامام الفراھی فی علوم القرآن، الدائرہ الحمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم کرہ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، ص۲۷۵-۲۷۶

۱۲ محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکواۃ، باب "اتقوا النار ولو بشق تمرۃ"، (حدیث: ۱۴۱۷)

۱۳ مسند احمد (ج۱، ص۴۳۳ / رقم الحدیث، ۴۱۱۸) میں اصل حدیث کے الفاظ اس

طرح ہیں:عن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: اقرأ علی القرآن، قلت یا رسول الله، کیف أقرأ علیک وإنما أنزل علیک، قال: إنی اشتهی أن اسمعه من غیری قال: فافتتحت سورة النساء: فقرأت علیه، فلما بلغت، فکیف إذا جئنا من کل أمة بشهید وجئنا بک علیٰ هؤلاء شهیدا:" قال: نظرت إلیه وعیناه تذرفان۔

۱۴ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب "ما جعل الله من بحیرة ولاسائبة، (حدیث:۴۶۲۳)

۱۵ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دارالفکر بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۷/ ۱۹۸۷ء، ۱۰/۱۱، بضمن آیت "أو یاخذهم علی تخوف" (النحل/۴۷)

۱۶ سیوطی، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم، الاتقان فی علوم القرآن، المکتبۃ العصریۃ بیروت، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء، ۵۵/۲

۱۷ الاتقان فی علوم القرآن، ۵۵/۲

۱۸ الاتقان فی علوم القرآن، ۵۵/۲

۱۹ تفسیر نظام القرآن، ص۴۲

۲۰ الامام عبدالحمید الفراہی، تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان، الدائرۃ الحمدیۃ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گرہ، الطبعۃ الاولیٰ ۲۰۰۸ء، ص۲۴

تفسیر نظام القرآن، ص۲۹-۳۰